۱۴

حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ مرحومہ کی وفات کے متعلق بعض امور

(فرمودہ ۱۹ - مئی ۱۹۳۳ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

پیشتر اس کے کہ میرے خیالات مجتمع ہوں اور مَیں انہیں تحریر میں لانے کے قابل ہوں- میں چاہتا ہوں کہ اس امر کے متعلق جو میرے دل میں ہے، بعض باتیں آج کے خطبہ میں بیان کر دوں- لیکن پیشتر اس کے کہ میں اصل مضمون کو شروع کروں میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ان تمام دوستوں کا جو قادیان کے رہنے والے ہیں یا باہر کے، اس ہمدردی کا شکریہ ادا کردوں جو انہوں نے میری بیوی کی وفات پر ظاہر کی ہے-

انسان اس دنیا میں مرنے کیلئے ہی آیا ہے- اگر موت نہ ہوتی تو کوئی ترقی نہ ہوتی اور انسان کی پیدائش لغو ٹھہرتی- ہم میں سے کون ہے جو دیانتداری کے ساتھ کہہ سکے کہ وہ اس دنیا میں ہزار، دوہزار، چارہزار سال کی زندگی کو پسند کرتا ہے بلکہ برداشت بھی کر سکتا ہے- بہت سے لوگ اپنی زندگی بچانے کیلئے مختلف قسم کی تدابیر اختیار کرتے ہیں- لیکن سمجھدار لوگ جن کے دل میں ذرا بھی خداتعالیٰ کا خوف ہوتا ہے وہ کبھی بھی اس عام زندگی سے جو خداتعالیٰ نے انسان کیلئے مقدر کر رکھی ہے، زیادہ کی خواہش نہیں کرتے- جاہل، بے دین اور ایمان نہ رکھنے والوں کیلئے قرآن کریم نے کہا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ہزار سال زندہ رہیں، حالانکہ دنیا کی عمر کے لحاظ سے ہزار سال بہت تھوڑے ہیں- لیکن اس سے یہ معلوم ہوسکتا

ہے کہ بے دین لوگ بھی ہزار سال سے زیادہ زندہ رہنے کیلئے تیار نہیں۔ گویا جن کو خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں اور سمجھتے ہیں کہ ساری خوشیاں اسی دنیا میں ہیں، ان کی نظر بھی ہزار دو ہزار سال تک ہی جاتی ہے۔ اس سے زیادہ وہ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

پس یہ دنیا رہنے کیلئے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ آخرت کیلئے کچھ سامان جمع کرے۔ یہاں وہ اُس مکان کے لئے سامان فراہم کرنے کے واسطے بھیجا گیا ہے جہاں اس نے مستقل رہنا ہے۔ یا یہ کہ اسے موقع دیا گیا ہے کہ دو مقرر شدہ مکانوں میں سے ایک کو اپنے لئے مخصوص کرلے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر شخص کا ایک گھر جنت میں اور ایک دوزخ میں ہوتا ہے[۱]۔ کوئی انسان تو اپنے اعمال سے جنت کے گھر کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور دوزخ کے گھر کو اختیار کرلیتا ہے۔ اور کوئی دوزخ کے گھر کو ترک کرکے جنت کا گھر اختیار کرلیتا ہے۔ اگر ہم قرآن کریم پر نظر ڈالیں تو ایک تیسرا گروہ ہمیں نظر آتا ہے جو دونوں کو استعمال کرتا ہے۔ پہلے وہ دوزخ کے گھر کی طرف جاتا ہے اور پھر جنت کے گھر کی طرف۔ پس کسی انسان کی موت ایک ایمان دار انسان کیلئے کوئی ایسا حادثہ نہیں جو غیر معمولی ہو یہ قانون اٹل ہے۔ یہ نہ بدلنے والی سنت ہے جس کو صدیق، شہید، صالح بلکہ انبیاء بھی نہیں بدل سکے۔ لیکن جہاں پر ایک اٹل قانون خدا تعالیٰ نے بنایا ہے کہ ہر انسان موت کا شکار ہوگا وہاں ایک اور اٹل قانون بھی ہے کہ ایک عرصہ تک اکٹھی رہنے والی چیزیں جب ایک دوسرے سے جُدا ہوتی ہیں تو دل میں درد محسوس ہوتا ہے۔ رسول کریم ﷺ ایک دفعہ ایک مجلس میں بیٹھے تھے کہ کوئی شخص آپ کو بلانے آیا کہ آپ کی صاحبزادی بلاتی ہیں کیونکہ آپ کا نواسہ بیمار ہے۔ آپ تشریف لے گئے اور ساتھ دوسرے صحابہ بھی تھے۔ بچہ اُس وقت نزع کی حالت میں اور بہت تکلیف میں تھا۔ آپ نے اسے گود میں اُٹھالیا۔ اور اس کی حالت کو دیکھ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ وہ بچہ وہیں فوت ہوگیا۔ تب ایک صحابی نے جو حقیقت سے آگاہ نہ تھا اور جسے عرفان کا مقام حاصل نہیں تھا کہا کیا اللہ تعالیٰ کا رسول بھی روتا ہے۔ آپ نے فرمایا تمہیں اللہ تعالیٰ نے سنگ دل بنایا ہوگا مجھے رحم دل بنایا ہے[۲]۔ تو رسول کریم ﷺ جو سب سے زیادہ قُربِ الٰہی کے مقام پر تھے، انہوں نے بھی اس بچہ کی جُدائی پر تکلیف محسوس کی۔ بلکہ جب اس پر اعتراض کیا گیا تو اسے سنگدلی قرار دیا۔ ایک اور واقعہ مجھے یاد پڑتا ہے اور میرا حافظہ ایک سے زیادہ واقعات کو ملاتا نہیں۔ تو وہ اس طرح ہے

کہ آپ نے اپنے چچازاد بھائی کو ایک لشکر کا نائب سالار بنا کر بھیجا آپ نے فرمایا کہ اس لشکر کے سردار زیدبن حارثہ ہوں گے۔ لیکن اگر وہ شہید ہوجائیں تو جعفرؓ ہوں گے۔ اور اگر وہ شہید ہوں تو پھر عبداللہؓ ان کی جگہ ہوں گے۔ خداتعالیٰ کی قدرت جنگ ہوئی اور زید مارے گئے جنہیں لوگ رسول کریم ﷺ کا بیٹا کہا کرتے تھے۔ جعفرؓ نے کمان ہاتھ میں لی لیکن وہ بھی مارے گئے۔ اور پھر عبداللہؓ کمانڈر ہوئے لیکن وہ بھی کام آئے۔ اس پر لشکر میں بہت گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ بعض مسلمان اپنے مقاموں سے پیچھے ہٹنا شروع ہوئے۔ اُس وقت حضرت خالدبن ولید نے آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا تھام لیا اور کہا مسلمانو! یہ بھاگنے کا وقت نہیں بلکہ دلیری دکھانے کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی ایسی نصرت کی کہ باوجودیکہ دشمن کی فوج بہت زیادہ تھی، وہ مرعوب ہوگیا۔ رات ہوگئی اور حضرت خالد نے مسلمانوں کو اندھیرے میں پیچھے ہٹالیا۔ اور اس طرح مسلمان تباہی سے بچ گئے۔ قبل اس کے کہ کوئی انسان آپ تک یہ خبر پہنچاتا رسول کریم ﷺ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ہوگئی۔ آپ منبر پر تشریف لائے، مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ زید مارے گئے اور پھر جعفر اور عبداللہ بھی جنگ میں کام آئے۔ پھر ایک سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ اس جگہ کھڑی ہوئی۔ اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تباہی سے بچالیا۔جب یہ لشکر واپس آیا تو جن جن لوگوں کے رشتہ دار مارے گئے تھے، انہیں تفصیلی حالات معلوم ہوئے تو کسی کی ماں نے، کسی کی بہن نے، کسی کی بیوی اور کسی کے اور رشتہ داروں نے رونا شروع کیا۔ تاریخ میں آتا ہے کہ جب رونے کی آوازیں آنا شروع ہوئیں تو رسول کریم ﷺ بھی روپڑے اور فرمایا سب گھروں سے رونے کی آوازیں آتی ہیں مگر جعفرؓ کے گھر سے کوئی آواز نہیں آتی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مدینہ میں مسافر تھے۔ اور یہاں ان کا کوئی قریبی رشتہ دار نہ تھا۔ یہ ایک درد کا اظہار تھا۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہ تھے کہ یہ کوئی اچھی چیز تھی۔ جعفرؓ چونکہ رسول کریم ﷺ کے چچیرے بھائی تھے۔ اور سب رشتہ داروں کو چھوڑ کر رسول کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت کر آئے تھے۔ دوسروں کو روتے دیکھ کر آپ کو خیال ہوا کہ اگر ان کے بھی عزیز یہاں ہوتے تو وہ بھی روتے۔ صحابہ کرامؓ جو رسول کریم ﷺ کی ہر خواہش کو پورا کرنا ضروری سمجھتے تھے، انہوں نے آکر اپنی مستورات کو گھروں سے کھینچ کھینچ کر نکالا کہ حضرت جعفرؓ کے گھر جاؤ۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے گھر کہرام مچ گیا۔ رسول کریم ﷺ نے دریافت

فرمایا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ مدینہ کی عورتیں جعفرؓ کے گھر میں روتی ہیں۔ چونکہ آپ کا یہ اصل منشاء نہ تھا' اس لئے آپ نے فرمایا ان کو روکو۔ آپ نے یہ الفاظ محض اظہارِ درد کیلئے فرمائے تھے کہ جعفرؓ وطن سے دور تھا' اس پر رونے والا کوئی نہیں۔ یہ گویا اس کی مسکینی کی موت کا احساس تھا۔ مگر وہ تھوڑے سے عزیز جو مدینہ میں تھے اور باقی صحابیہ عورتوں کے دلوں میں بھی وہ درد پیدا ہو چکا تھا جو آپ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے لوگوں نے جاکر روکا مگر وہ نہ رُکیں۔ اس پر کسی نے آکر رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ وہ بند نہیں ہوتیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کے منہ پر مٹی ڈالو یعنی ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو[۲]۔ لیکن بعض لوگوں نے اس کا مفہوم صحیح نہ سمجھا اور فی الواقعہ مٹی اُٹھالی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب علم ہوا تو آپ نے ان کو ڈانٹا اور بتایا کہ آپ کا یہ مطلب نہیں۔

غرض قدرتی طور پر جب ایک شخص کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو ایک درد پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ مومن اسے دائمی جُدائی سمجھتا ہے۔ مومن کیلئے جُدائی دائمی نہیں ہوتی' یہ ایک سفر ہے جس میں کوئی پہلے پہنچ جاتا ہے اور کوئی پیچھے۔ بعینہٖ اس طرح جس طرح ایک طالب علم کسی بیرونی ملک میں حصولِ تعلیم کیلئے جاتا ہے تو ماں باپ یا دوسرے رشتہ داروں پر رقت طاری ہوجاتی ہے حالانکہ وہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ معیّن وقت کی جُدائی ہے جس کے نتیجہ میں جُدا ہونے والا ترقیات حاصل کرے گا' کمائے گا' خود کھائے گا اور ہمیں کِھلائے گا۔ مگر یہ ایک غیر معیّن جُدائی ہوتی ہے۔ اور دیر اس جدائی سے زیادہ اثر ڈالتی ہے۔ کیونکہ معلوم نہیں ہوتا وہ کب ختم ہو۔ اور اس رنگ کا افسوس مومن کو ضرور ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مولوی عبدالکریم صاحب کو خاص عشق تھا۔ اور ایسا عشق تھا کہ اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اُس زمانہ کو دیکھا دوسرے لوگ اس کا قیاس بھی نہیں کرسکتے۔ وہ ایسے وقت میں فوت ہوئے جب میری عمر سولہ سترہ سال تھی۔ اور جس زمانہ سے میں نے ان کی محبت کو شناخت کیا ہے۔ اُس وقت میری عمر بارہ تیرہ سال کی ہوگی یعنی بچپن کی عمر تھی۔ لیکن باوجود اس کے مجھ پر ایک ایسا گہرا نقش ہے کہ مولوی صاحب کی دو چیزیں مجھے کبھی نہیں بُھولتیں۔ ایک تو اُن کا پانی پینا اور ایک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی محبت۔ آپ ٹھنڈا پانی بہت پسند کرتے تھے اور اسے بڑے شوق سے پیتے تھے۔ اور پیتے وقت غٹ غٹ کی ایسی آواز آیا کرتی تھی کہ گویا

اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے جنت کی نعمتوں کو جمع کر کے بھیج دیا ہے۔ اس زمانہ میں اس مسجد اقصیٰ کے کنویں کا پانی بہت مشہور تھا۔ اب تو معلوم نہیں لوگ کیوں اس کا نام نہیں لیتے۔ آپ کا طریق یہ تھا کہ کہتے بھئی کوئی ثواب کماؤ اور پانی لاؤ۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود موجود ہوتے تو اور بات تھی۔ وگرنہ آپ سیڑھیوں پر آکر انتظار میں کھڑے ہوجاتے اور پھر لوٹا لے کر منہ سے لگالیتے۔ دوسرے آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں بیٹھے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا کہ آپ کی آنکھیں حضور کے جسم میں سے کوئی چیز لے کر کھارہی ہیں۔ اُس وقت گویا آپ کے چہرے پر بشاشت اور شگفتگی کا ایک باغ لہرارہا ہوتا تھا۔ اور آپ کے چہرہ کا ذرہ ذرہ مسرت کی لہر پھینک رہا ہوتا تھا۔ جس طرح مسکرا مسکرا کا آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتیں سنتے اور جس طرح پہلو بدل بدل کر داد دیتے' وہ قابلِ دید نظارہ ہوتا۔ اگر اس کا تھوڑا سا رنگ میں نے کسی اور میں دیکھا تو وہ حافظ روشن علی صاحب مرحوم تھے۔ غرض مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خاص عشق تھا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی آپ سے ویسی ہی محبت تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق تھا کہ مغرب کی نماز کے بعد ہمیشہ بیٹھ کر باتیں کرتے۔ لیکن مولوی صاحب کی وفات کے بعد آپ نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور اب بیٹھتے نہیں۔ تو فرمایا کہ مولوی عبدالکریم صاحب کی جگہ کو خالی دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے۔ حالانکہ کون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو حیّ اور دوبارہ زندگی دینے والا یقین کرتا ہو۔

پس باوجود اس کے کہ موت ایک لازمی چیز ہے اور ہر ایک کیلئے مقدر ہے' ایسے مواقع پر طبعاً ایک تکلیف ہوتی ہے۔ اور اس تکلیف کے درجہ کے مطابق ہی اس ہمدردی سے بھی مسرت ہوتی ہے جو دوستوں کی طرف سے ظاہر ہو۔ اور وہ ہمدردی اور اشتراک جو یہاں کے دوستوں نے عام طور پر ظاہر کیا' وہ اس رنج کے مقابل میں ویسا ہی اطمینان پیدا کرنے والی چیز تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت میں اتحاد پیدا کیا ہے کہ جس کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی۔ رنج کے وقت تو انسان یہ خیال ہی نہیں کرسکتا کہ دوسروں پر کیا اثر ہے۔ اس لئے صبح کے وقت مَیں جب قادیان میں داخل ہوا تو میرے دل کے کسی گوشہ میں بھی کوئی خیال نہ تھا کہ لوگ کیا احساس رکھتے ہیں۔ لیکن جونہی میں یہاں آیا' یہاں کے ہر ایک چہرہ نے میری توجہ کو

اپنی طرف کھینچ لیا- اور میں نے محسوس کیا کہ اکثر افراد اپنے دلوں میں ویسا ہی درد محسوس کرتے ہیں جیسا کہ اپنے کسی عزیز کی موت پر ہو سکتا ہے- باہر کی جماعتوں کے احساسات کا اندازہ تو میں لفظوں سے ہی لگا سکتا ہوں کیونکہ اُن کے چہرے میرے سامنے نہ تھے- اور صحیح اندازہ انسان شکل سے ہی لگا سکتا ہے کیونکہ شکلیں مستقل طور پر تصنّع سے بنائی نہیں جاسکتیں لیکن الفاظ بنائے جاسکتے ہیں- مگر معلوم ہوتا ہے کہ جماعت نے اس رنج کو مجموعی طور پر ایک سا محسوس کیا ہے- جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے میرا ارادہ ہے کہ اس بارہ میں کچھ خیالات تحریر کروں- لیکن ابھی تک وہ پراگندہ ہیں اور مجتمع نہیں ہوسکے- اس لئے کچھ دنوں تک تو انہیں تحریر میں نہیں لاسکتا- لیکن ایک بات ہے جس کا اظہار میں ابھی کر دینا چاہتا ہوں- اس لئے نہیں کہ کسی پر الزام دوں' اس لئے نہیں کہ کسی پر شکوہ کروں- اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں نے دو دن تک اس سوال کے سارے پہلوؤں کو اُلٹ پھیر کر دیکھا ہے اور اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں- اور واقعات بھی اس ایمان کی تصدیق کرتے ہیں جو قرآن کریم نے ہمارے دل میں پیدا کیا ہے کہ خواہ رنج ہو یا خوشی' اس کے پیچھے اصل ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منشاء کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا- میرے دل کے جذبات خواہ اس درد کو محسوس کریں اور کتنا ہی شدید طور پر محسوس کریں جو ایک طبعی امر ہے- مگر ایمان اور عقل دونوں کہہ رہے ہیں کہ ہم اس جذباتی درد کا ساتھ نہیں دے سکتے- وہ اس سے انکار نہیں کرتے کہ درد محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی ظاہر ہوچکا ہے- مگر وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے دائرہ سے باہر کی چیز ہے' ہم اس میں شریک نہیں ہوسکتے- جذبات' عقل اور ایمان کبھی اکٹھے ہوجاتے ہیں' کبھی جُدا جُدا اور کبھی دو دو- تو میری عقل اور ایمان اگرچہ جذبات پر اعتراض تو نہیں کرتے مگر شریک ہونے سے بھی انکار کرتے ہیں- اور کہتے ہیں کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے دائرے مختلف بنائے ہیں- اس حادثہ سے قبل میں نے کئی رؤیا دیکھے اور بھی بہت سے لوگوں نے دیکھے جن میں اس کی طرف اشارہ تھا- میں جب ڈلہوزی میں تھا تو اُس وقت میں نے ایک رؤیا دیکھا کہ میں قادیان سے باہر ہوں- اور قادیان سے اطلاع آئی ہے کہ وہاں ایک ایسی وفات واقع ہوئی ہے جس سے زمین و آسمان ہِل گئے ہیں- یہ خبر سن کر میں سوچتا ہوں کہ میں اب وہاں کیسے پہنچوں گا- اُس وقت گویا کوئی میری تسلی کیلئے کہتا ہے- کسی ہندو یا سِکھ کی موت ہوگی- میں اس پر کہتا ہوں کہ ہندو یا سکھ کی موت پر تو زمین و آسمان

نہیں ہِل سکتے- پھر وہ خیال پیش کرتا ہے کہ اس سے ہندوؤں اور سکھوں کی زمین و آسمان مراد ہوگی- اس کے بعد مجھے حضرت اُمّ المؤمنین کی بیماری کی اطلاع پہنچی تو اِس رؤیا کی طرف میرا خیال گیا اور رستہ میں مَیں نے دوستوں کو یہ سنایا' لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا دے دی- ڈلہوزی سے میری واپسی پر مولوی سید عبدالستار صاحب جو بہت مخلص' ملہم اور خدارسیدہ انسان تھے' ان کی وفات ہوگئی تو میں نے اس خواب کو اُس پر چسپاں کیا- اور اگرچہ میری موجودگی میں وہ فوت ہوئے مگر میں نے خیال کیا کہ وہ بیمار تو میری عدم موجودگی میں ہوئے تھے- اس لئے وفات خواہ میری موجودگی میں ہوئی' یہ رؤیا پورا ہو گیا- مگر رؤیا میں یہ تھا کہ میں پہاڑ پر نہیں ہوں بلکہ میدانی علاقہ میں ہوں اور وفات میری غیرحاضری میں ہوئی ہے- پھر جس دن سارہ بیگم کی وفات ہوئی ہے' اُس دن صبح جب میں اٹھا تو میری زبان پر جاری تھا مُردہ قادیان یا مُردہ قادیانی- میں نے اس سے خیال کیا کہ مخالفین جو کہتے ہیں' قادیانی مُردہ باد شاید اس سے یہ مراد ہو کہ کوئی مخالف ہمارے خلاف کوئی کتاب لکھے گا یا لیکچر دے گا- اور یہ خیال اتنا غالب تھا کہ جب مجھے بیماری کا تار پہنچا تو پھر بھی اس طرف میرا خیال نہیں گیا- پھر ڈاکٹر سید حبیب اللہ صاحب نے اسی دن خواب دیکھا کہ ہمارے خاندان میں کوئی وفات ہو گئی ہے- ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب نے مجھے لکھا کہ میں نے آپ کی بعض بیویوں کی وفات کے متعلق خواب دیکھا ہے- میاں عطاء اللہ صاحب پلیڈر نے لکھا کہ اُسی دن جس دن اخبار پہنچا جس میں یہ خبر درج تھی مجھے خواب میں ایک مزار دکھایا گیا جس پر میرا نام درج تھا- میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اور تھوڑی دیر کے بعد ہی اخبار کا وہ پرچہ پہنچ گیا جس میں یہ خبر درج تھی-

قاضی عبدالرحیم صاحب نے اپنی بیوی کا ایک عجیب کشف لکھا ہے جسے وہ ہذیان سمجھتے رہے کیونکہ ان کی بیوی گزشتہ جمعہ کے روز سخت بیمار تھی- اُن کی لڑکی امۃ العزیز کے سارہ بیگم مرحومہ کے ساتھ بہت تعلقات تھے- مولوی کا امتحان دونوں نے اکٹھے دیا تھا-

آخری بار مَیں نے اسے سارہ بیگم مرحومہ کے ساتھ ہی دیکھا تھا- اور انہوں نے مجھے بڑے اصرار کے ساتھ کہا تھا کہ یہ کچھ بیمار ہیں' انہیں ضرور کوئی دوائی دو- قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ جمعہ کے روز ان کی بیوی بہت بیمار تھیں- اور بار بار کہہ رہی تھیں کہ امۃ العزیز آئی ہے اور کہتی ہے کہ میں شام تک سارہ بیگم کے پاس رہی ہوں اور انہیں لینے آئی ہوں- وہ بار بار اس بات کو دُہراتی تھیں اور کہتی تھیں کہ مجھے سارہ بیگم کے پاس لے چلو- میں ان

سے پوچھوں کہ امۃ العزیز آئی ہے یا نہیں۔ اُسی دن پٹھانکوٹ میں ایک دوست نے خواب دیکھا۔ شائد اُس دن جب وہ بیمار ہوئیں یا اُس دن جب وفات ہوئی۔ یہ مجھے یاد نہیں رہا انہوں نے دیکھا کہ میں بہت افسردہ ہوں اور زمین کھدوا رہا ہوں ان سب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وفات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر تھی۔ لیکن ان خوابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کو اہمیت دی ہے۔ جبھی تو راولپنڈی' دہلی' پٹھانکوٹ ضلع جالندھر اور مختلف مقامات پر اس کی اطلاع دی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے خواب ہیں جو مجھے یاد نہیں رہے۔ مگر اس کثرت سے ہیں کہ ایک اچھا خاصہ مجموعہ بن جاتا ہے۔ اور بظاہر پتہ لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رنج کو ایک قومی رنج قرار دیا ہے۔ تبھی تو ملک کے مختلف گوشوں میں اس کی قبل از وقت خبر دی۔ اور اس طرح گویا واقعہ سے پہلے ہی ہمدردی کا اظہار کردیا۔ حدیث قدسی میں بھی آتا ہے کہ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِيْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَاَنَا اَكْرَهُ مَسَاقَهٗ وَلَا بُدَّلَهٗ مِنْهُ؎ یعنی اللہ تعالیٰ کو مومن بندے کی جان نکالنے میں تردّد ہوتا ہے۔ اور اس وقت عرشِ الٰہی کانپتا ہے یہی وہ بات تھی جس کی طرف میرے رؤیا میں اشارہ تھا کہ زمین و آسمان کانپ گئے ہیں اور اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ مگر ایک بات ایسی کہ جب سے میں یہاں آیا ہوں' میرے کان میں پڑ رہی ہے۔ اور وہ جس صورت میں کہ دوستوں تک پہنچی طبعاً ان کیلئے بھی اور میری قلبی کیفیت کے پیش نظر میرے واسطے بھی رنج کا موجب ہے۔ بعض حالات ایسے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے عام طور پر دوستوں کو رنج اور شکوہ ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر سچا اُنس اور ہمدردی ہو تو اس قسم کا شکوہ پیدا ہونا بھی ایک طبعی امر ہے۔ میں نے اس معاملہ کی تحقیقات کی ہے جس حد تک کہ میں شرعاً جائز سمجھتا تھا۔ اور جس نتیجہ پر میں پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ جب ایک امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوچکا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کیلئے بیسیوں رؤیا اور کشوف دکھا چکا ہو' اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ہوتا تو یوں ہوجاتا۔ یوں ہوتا تو یہ ہوجاتا قطعاً غلط ہے۔ امۃ الحیّ مرحومہ کی بیماری کی اطلاع مجھے بمبئی میں ملی تھی۔ اور میرے دل نے محسوس کیا کہ یہ خطرناک ہے۔ وہاں سے جب میں ریل میں سوار ہوا تو منہ کھڑکی سے باہر نکال لیا تا کرب کی حالت کوئی اور نہ دیکھ سکے اور اللہ تعالیٰ سے دعا شروع کی۔ اور اِس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ مجھے وہاں پہنچنے کا موقع مل جائے گا۔ آگرہ پہنچتے پہنچتے حالات کے تسلی بخش ہونے کی اطلاع بھی مل گئی۔ ابھی دو روز ہی

ہوئے میں والدہ صاحبہ حضرت اُمّ المؤمنین سے یہی باتیں کر رہا تھا۔ انہوں بھی نے بتایا کہ اُس وقت امۃ الحیٔ مرحومہ کی حالت بہت خطرناک تھی لیکن پھر سنبھل گئی۔ غرضیکہ میں پہنچ گیا اور اس کے دس بارہ روز بعد اُن کی وفات ہوئی۔ کیونکہ یہی مقدر تھا جیسا کہ ولایت جانے سے پہلے ہی بتایا گیا تھا۔ مگر دعاؤں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے ان سے اور انہیں مجھ سے ملنے کا موقع مل گیا۔ ان کا علاج تین ڈاکٹر کر رہے تھے۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب جو بہت مشہور ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر خلیفہ رشیدالدین صاحب جیسے عمر رسیدہ اور تجربہ کار ڈاکٹر جو میڈیکل میں پروفیسر بھی رہ چکے ہیں اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب یہ تینوں معالج تھے۔ جس روز عصر کے قریب ان کا انتقال ہوا' اسی دن نَو بجے کے قریب میں نے ان تینوں کو جمع کیا اور کہا کہ کئی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان کہنے سے شرماتا ہے۔ لیکن اگر اسے اپنی موت کا یقین ہوجائے تو کہہ دیتا ہے۔ اسی طرح کئی باتیں جو بظاہر پوچھنا مناسب نہیں ہوتیں وہ پوچھ بھی لی جاسکتی ہیں۔ یا یہ دریافت کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی خواہش ہو تو بتادو۔ پس اگر حالت ایسی ہو تو بتادیں تا انہیں بھی بتادیا جائے۔ اور ان کے دل میں اگر کوئی بات ہو تو کہہ دیں۔ مگر تینوں نے جن میں سے دو بڑے لمبے تجربہ والے اور تیسرے بھی اچھا تجربہ رکھنے والے تھے' متفقہ طور پر کہا کہ کوئی خطرناک بات نہیں۔ یہ ہسٹیریا کے دورے ہیں۔ لیکن اس بیان کے چار گھنٹے بعد وہ فوت ہوگئیں۔

پس ڈاکٹری ایک ظنّی علم ہے اور اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کس حد تک صحیح ہوگا اور کس حد تک غلط۔ بعض اوقات علاج ایک رحمت کے فرشتے کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات کچھ بھی اثر نہیں رکھتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ جرمنی کا ایک بادشاہ تھا' اسے خناق ہوگیا۔ اور برابر آٹھ گھنٹے یورپ کے چوٹی کے ڈاکٹروں اور ملک الموت میں کُشتی ہوتی رہی' آخر ملک الموت غالب آگیا۔ ڈاکٹروں کا کام زندہ کرنا نہیں' صرف کوشش ہے اور اگر کوئی دیانت داری سے کوشش کرتا ہے تو اس پر کوئی شکوہ نہیں۔ اس لئے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ شکوہ نہیں بلکہ اصلاح ہے اور آئندہ کی احتیاط کیلئے ہے۔ ایسے موقع پر مَیں شکوہ کرنا فضول سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ جو نقصان ہوچکا' اس کے متعلق شکوہ فضول ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ غلطی ہوئی۔ کیونکہ ممکن ہے میں خود بھی ہوتا تو یہ غلطی ہوجاتی۔ مگر میں جانتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان یا خلیفۂ وقت کے نقصان کو ساری جماعت اپنا نقصان سمجھتی ہے۔ اور اس طرح چونکہ اس سے

لاکھوں انسانوں کا تعلق ہے اور انہوں نے اسے محسوس کیا ہے- میرے پاس تو بعض ایسے خطوط آئے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کئی دوستوں نے ایسا محسوس کیا ہے کہ انہیں اپنے عزیزوں کے متعلق بھی ایسا صدمہ نہ ہوتا- آج ہی ایک خط آیا ہے- ایک دوست لکھتے ہیں کہ میں اخبار پڑھ رہا تھا اور اس قدر رنج ہوا کہ ساری خبر بھی نہ پڑھ سکا اور اُلٹا لیٹ کر چیخیں مارنے لگ گیا- شور سن کر میری بیوی آئی اور وجہ دریافت کرنے لگی- میں رقّت کے سبب بات بھی نہ کرسکتا تھا- آخر اُس نے اخبار اٹھا کر پڑھا تو اس پر بھی وہی کیفیت طاری ہوگئی- حتّٰی کہ گاؤں کے غیراحمدی' ہندو' سکھ سب اکٹھے ہوگئے کہ کیا تمہارے ہاں کوئی ماتم ہوگیا ہے- تو ایک ایسی خبر جس کا اثر لاکھوں انسانوں پر پڑتا ہو اس کے متعلق بعض احتیاطوں کی ضرورت ہے- اور میں سمجھتا ہوں چاہیئے تھا کہ جس وقت رات کو سارہ بیگم بیمار ہوئی تھیں' اُسی وقت مجھے تار دے دیا جاتا- اور میرا تجربہ ہے جو کبھی فیل نہیں ہوا کہ جب بھی مجھے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی توفیق مل گئی ہے' وہ بات یا تو ٹل گئی ہے یا ملتوی ہوگئی ہے- میں نے جب سے ہوش سنبھالا' یہ میرا تجربہ ہے حتّٰی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب لاہور میں بیمار ہوئے تو آپ نے فرمایا محمود کو جگاؤ- میں جاگا تو کوٹھے پر دعا کیلئے گیا- مگر دل میں دعا کیلئے جوش نہ پیدا ہوا- الفاظ تو منہ سے نکلتے تھے مگر دل میں جوش نہیں پیدا ہوتا تھا- آخر ایک گھنٹہ کی کوشش کے بعد اگر جوش پیدا ہوا تو اِس امر پر کہ خدایا کیا میرے دل میں تجھ پر اور تیرے رسولوں پر ایمان نہیں رہا کہ تیرا رسول اور ہمارا امام اس حالت میں ہے اور میرے دل میں دعا کیلئے جوش پیدا نہیں ہوتا- اور اس طرح مَیں ایک گھنٹہ روتا رہا مگر صحت کی دعا کی طرف توجہ اور وہ حالت جس میں انسان سمجھتا ہے کہ میں نے خدا سے بات منوالی ہے' نہ پیدا ہوسکی- دوسری ضروری چیز یہ تھی کہ مقامی امیر کو فوراً اطلاع دی جاتی- بیسیوں لوگوں نے مجھ سے شکوہ کیا ہے کہ اگر پتہ لگتا تو کم سے کم دعا ہی کرتے- اور انہیں افسوس ہے کہ دعا بھی نہ کرسکے- اگر مقامی امیر کو اطلاع ہوجاتی تو سینکڑوں لوگ دعا کرتے اور ممکن ہے ان سے اتنا وقت مل جاتا کہ میں واپس آجاتا- پھر جو تار مجھے دیا گیا' اس کے الفاظ اتنے کمزور تھے کہ سوائے معمولی بیماری کے جو ہر حاملہ کو ہوسکتی ہے' کوئی زیادہ بات ظاہر نہ ہوتی تھی- پھر آپریشن کرنے یا اس کے ختم ہونے کی مجھے کوئی اطلاع نہیں دی گئی- مگر میں پھر کہوں گا کہ تقدیر ایسی ہی تھی- کیونکہ جب مجھے اطلاع ملی تو میں نے اسباب باندھنے کیلئے کہا- اُس وقت

میری ایک بیوی اپنے بھائی کے ہاں تھیں- انہیں کہلا بھیجا کہ اگر جانا ہو تو تیار ہوجاؤ- اور دوسری طرف حالات دریافت کرنے کیلئے تار لکھ کر شیخ یوسف علی صاحب پرائیویٹ سیکرٹری کو دیا- لیکن مجھے یہ وہم بھی نہ تھا کہ ایسے ضروری تار کیلئے یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ ایکسپریس بھیجا جائے- انہوں نے آرڈنری بھیج دیا جو وفات کے پندرہ منٹ بعد یہاں پر پہنچا- اُدھر میں مطمئن تھا کہ اِس وقت تک جو جواب نہیں آیا تو آرام ہی ہوگا- اور میں نے یہ خیال کیا کہ شیخ صاحب نے ایسی بیوقوفی کہاں کی ہوگی کہ آرڈنری (ORDINARY) تار دیا ہو- یقیناً آرام ہوگا جو اَب تک جواب نہیں آیا- میرا ذہن بھی اِس طرف نہیں گیا کہ شیخ صاحب نے ایسی غلطی کی ہے- میں جواب نہ ملنے کے یہی معنی سمجھتا رہا کہ آرام ہے- کیونکہ جب آرام ہو تو تار دینے کی جلدی نہیں ہوا کرتی- جب وفات کی خبر ملی تو یہاں پہنچنے تک مجھے یہ رنج رہا کہ جلد تار کا جواب کیوں نہیں دیا گیا- مگر یہاں آکر معلوم ہوا کہ وہ وفات کے پندرہ منٹ بعد یہاں پہنچا تھا- یہ غلطی راولپنڈی میں میری موجودگی میں ہوئی- پس میں اِس غلطی کو ایک نادانستہ غلطی سمجھتا ہوں- لیکن ساتھ ہی یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک غلطی تھی- ایسے موقع پر دوستوں کو اطلاع ہونی چاہیئے تھی تا دعا کی تحریک ہو- اور اس کیلئے مقامی امیر کو فوراً اطلاع دینی چاہیئے تھی- وہ فوراً اطلاع کرتے اور دوستوں کو اطلاع ہوجاتی- پھر فوراً میری طرف بھی اطلاع بھیجنی چاہیئے تھی- اگر مجھے رات کو ہی تار دے دیا جاتا تو وہاں کثرت سے ہوائی جہاز ملتے ہیں- ممکن تھا اگر انتظام ہوسکتا تو میں ایک گھنٹے میں یعنی صبح سات آٹھ بجے تک یہاں پہنچ سکتا-پھر اگر آپریشن ہونا ہوتا تو میرے سامنے ہوتا اور اگر وفات ہی مقدر تھی تو وہ بھی میرے سامنے ہوتی-

دوسری احتیاط جو ضروری تھی یہ ہے کہ زچگی بہت بڑی تکلیف کا موجب ہوتی ہے- خصوصاً دوسری بار تو ہر عورت یہی سمجھتی ہے کہ وہ مرجائے گی سوائے اُجڈ جاہل عورتوں کے جن کی حِسّ مُردہ ہوچکی ہو- سب تعلیم یافتہ اور سمجھدار عورتیں ہر حمل کے موقع پر یہی کہتی ہیں کہ ہم اب کے مرجائیں گی- مگر باوجود اس کے یہ صحیح نہیں ہوتا- اس لئے جو عورت ایسا کہے اس کے متعلق سمجھ لینا کہ کوئی خاص بات ہے یہ تو صحیح نہیں مگر باوجود اس کے اس میں کلام نہیں- اطباء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ زچگی کے بعد عورت کو نئی زندگی حاصل ہوتی ہے- پھر کسی کا یہ خیال کرنا کہ کسی کے مشورہ کی ضرورت نہیں' بالکل غلط بات ہے- قادیان

میں اِس وقت چھ ڈاکٹر تھے۔ ڈاکٹر غلام احمد صاحب جو طب کی بڑی سے بڑی ڈگری ولایت سے حاصل کرکے آئے ہیں۔ ان کے برابر ابھی تک ہماری جماعت میں کسی نے ڈگری حاصل نہیں کی۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب تھے۔ ڈاکٹر سید رشید احمد صاحب تھے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب، بھائی عبدالرحیم صاحب کے لڑکے۔ڈاکٹر نذیر احمد صاحب پسر ماسٹر عبدالرحمٰن جالندھری تھے۔ ڈاکٹر لعل دین صاحب تھے۔ ان میں سے ایک ولایت کا تعلیم یافتہ، ایک اسسٹنٹ سرجن، چار سب اسسٹنٹ سرجن تھے۔ ان میں سے ممکن ہے بعض کا علم نہ ہو لیکن بعض کا ضرور علم تھا۔ لیکن باوجود اس کے نہ تو تیمارداروں کو اور نہ ہی معالجوں کو یہ خیال آیا کہ ہم سے بھی غلطی ہوسکتی ہے، کسی اور کو بھی مشورہ کیلئے بلالیں۔ میرے رشتہ داروں کو خیال کرنا چاہیئے تھا کہ اگر میں یہاں ہوتا تو کیا کرتا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ڈاکٹر صاحب کو کہا تھا کہ کیا اور ڈاکٹر بلانے کی ضرورت ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہاں کوئی اور ڈاکٹر آجائے تو اچھا ہے کیونکہ اس طرح نرس فارغ ہوجائے گی اور مجھے اس کی بہت ضرورت ہے۔ لیکن اس کے بعد نہ رشتہ داروں کو دوسرا ڈاکٹر بلانے کا خیال آیا اور نہ ڈاکٹر صاحب کو۔ حالانکہ ایسی حالت خطرناک تھی خون آرہا تھا بچہ ٹیڑھا ہوا ہوا تھا، کمزوری تھی۔ اول تو چاہیئے تھا کہ امرتسر سے کسی کو بلالیا جاتا یا وہاں پہنچاہی دیا جاتا۔ لیکن اگر یہ نہیں ہوسکتا تھا تو کم سے کم یہاں کے ڈاکٹروں سے تو مشورہ کیا جاتا۔ یہ خود معالج کی اپنی عزت کے بچاؤ کیلئے ضروری تھا۔ ہندوستانی ڈاکٹروں میں سے ننانوے فیصدی ایسے ہیں جو دوسرے سے مشورہ کو اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب تجربہ میں جتنے سب اسسٹنٹ سرجن میں نے دیکھے ہیں، ان سے اچھے ہیں۔ مگر باوجود اس کے یہ معنے نہیں کہ انہیں مشورہ کی ضرورت نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قاعدہ تھا اور خود میں بھی جب ۱۹۱۸ء میں بیمار ہوا تو میں نے بھی ایسا ہی کیا کہ طبیب اور ڈاکٹر سب جمع کرلئے۔ ڈاکٹروں کی دوائی بھی کھاتا تھا اور طبیبوں کی بھی۔ کیا معلوم اللہ تعالیٰ کس سے فائدہ دے دے۔ اگر کوئی ڈاکٹر اپنے کو خدا سمجھتا ہے تو سمجھے، ہم تو اسے بندہ ہی سمجھتے ہیں۔ یورپ کے ڈاکٹروں میں یہ مرض نہیں۔ وہاں کے ڈاکٹر جب دیکھیں کہ حالت خطرناک ہے یا ان کا جو اندازہ ہے کہ اتنے دنوں میں آرام ہوگا، وہ پورا نہ ہو تو خود کہہ دیتے ہیں کہ دوسرا ڈاکٹر بلاؤ۔ اور پھر اس سے خود تبادلۂ خیالات کرکے مناسب علاج تجویز کریں گے۔ بلکہ ان کے ہاں علاج کے ساتھ ڈاکٹر کا یہ بھی فرض ہے کہ جو ڈاکٹر کسی فیملی کا

معالج ہو وہ حالت خراب ہونے کی صورت میں فوراً کہہ دے کہ دوسرے ڈاکٹر کو بلاؤ- اور اگر میری رائے پر چلنا ہو تو فلاں فلاں کو بلاؤ- اس کے یہ معنے نہیں کہ مریض ضرور بچ جائے گا- کیونکہ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ اِلَّاالْمَوْتَ ۵ دس ہزار ڈاکٹر بھی اگر جمع ہوجائیں- تو جس نے مرنا ہے وہ مرے گا- مگر کہنے والوں کو تو یہ موقع نہیں ملے گا کہ ڈاکٹر کی غلطی سے وفات واقع ہوگئی-

پس ڈاکٹر کی عزت کی حفاظت کیلئے بھی یہ ضروری ہے جب وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ کرتا ہوں میں ہی کرتا ہوں تو خداتعالیٰ کی مدد بھی اس کے شامل حال نہیں رہتی- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سلطان عبدالحمید خان معزول کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے- اور سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ جنگ کی تیاریاں کی گئیں- اور جب مکمل ہوگئیں تو کسی نے کہا کہ ایک چیز رہ گئی- اس پر اس نے بہت ہی پیاری بات کہی کہ کوئی خانہ خدا کیلئے بھی چھوڑ دو- تو خداتعالیٰ کے بھیجے ہوئے ملک الموت کا رستہ تو ڈاکٹر نہیں روک سکتے لیکن دوسروں کا مشورہ ضروری ہے' سوائے اس کے کہ مریض خود کسی اور کو بلانا پسند نہ کرے یا غریب ہو- لیکن ڈاکٹر کا فرض ہے کہ یہ بات پیش کردے- اور حالات ایسے ہیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ مشورہ کی ضرورت تھی- زندہ بچہ ہاتھ کٹا ہوا' آدھ گھنٹہ تک خون کے چوبچہ میں پڑا رہا- اگر ایک دو ڈاکٹر اور بھی وہاں ہوتے تو دو اگر ماں کی طرف متوجہ رہتے تو ایک بچہ کو بھی دیکھ سکتا- یوں تو کسی کو کیا پتہ ہے کہ کیا ہونے والا ہے لیکن اپنی کوشش ضروری تھی- میں خود باہر سے ڈاکٹر اپنے لئے یا اپنے خاندان کے لوگوں کیلئے نہیں بلایا کرتا- میرے لئے صرف ایک دفعہ باہر سے ڈاکٹر آیا ہے- مگر مجھے آج تک معلوم نہیں کہ اُس کی فیس کس نے ادا کی- مجھ سے کہا گیا کہ کسی کو بلانا چاہیئے تو میں نے جواب دیا کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں- کہا گیا کہ فیس انجمن ادا کردے لیکن میں نے کہا میں اپنے لئے انجمن سے فیس نہیں دلوانا چاہتا- پھر مجھے پتہ نہیں کس نے بلایا اور فیس کس نے دی- کیونکہ میں سمجھتا ہوں ہمارا اتنا ہی فرض ہے جتنی اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے- پھر میں دیکھتا ہوں کہ اس قسم کی کمزور حالت میں ایک ہی علاج ہوا کرتا ہے کہ تندرست آدمی کا خون مریض کو انجیکٹ کردیا جائے- اور میں نے آتے ہی دریافت کیا کہ کیا یہ بھی کیا گیا' تو معلوم ہوا نہیں- حالانکہ مریض کو بچانے کیلئے بالکل غیر متعلق لوگ اپنا خون پیش کرکے انہیں بچالیتے ہیں- میری ایک بیوی گزشتہ دنوں لاہور ہسپتال میں

تھیں- انہوں نے بیان کیا کہ چند دنوں کے عرصہ میں دو دفعہ مریضوں کیلئے وہاں کی انگریز لیڈی ڈاکٹروں نے اپنے خون پیش کردیئے- اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ سوگوار چہرے جو میں نے یہاں آکر دیکھے' اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی کہا جاتا کہ تمہاری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اگر تھوڑا سا خون دے دو تو میرے خیال میں ان میں سے کوئی بھی انکار نہ کرتا- اور اس حالت میں صرف یہی آخری علاج تھا- اور میں سمجھتا ہوں حواس باختگی میں کسی کا ذہن اس طرف گیا ہی نہیں- میں نے ڈاکٹر غلام احمد صاحب سے دریافت کیا کہ انگلینڈ میں ایسے وقت میں کیا کرتے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ صرف یہی ایک علاج ہے- آج کل اگر کوئی طالب علم امتحان کے پرچے میں نمک کی پچکاری کو جو یہاں عام طور پر کرتے ہیں بطور علاج لکھ دے تو اسے فیل کردیا جائے- تو صرف یہی ایک علاج تھا اور جس آدمی کا خون لیا جائے' اسے ایک گھنٹہ کیلئے بھی لیٹنا نہیں پڑتا- لنڈن میں ہزاروں لوگ اپنے نام درج کرا چھوڑتے ہیں کہ جب بھی ضرورت ہو ہمارا خون لے لیا جائے- اور جب کوئی ایسا کیس آئے' ان لوگوں کو فون کردیا جاتا ہے- اور وہ ریلوں موٹروں میں چاروں طرف سے آجاتے ہیں- میں سمجھتا ہوں اگر دوسرا کوئی ڈاکٹر وہاں ہوتا تو یہ بات اس کے ذہن میں ضرور آجاتی- اور گو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں نہ پچکاری کے سامان ہیں نہ خون ٹیسٹ کرنے کے لیکن اگر یہ خیال پیدا ہوجاتا تو یا مریضہ کو لاہور' امرتسر لے جانے کی یا وہاں سے تجربہ کار ڈاکٹر کو مع سامان لانے کی کوشش کی جاتی-

پس میں ان حالات سے متأثر ہوکر ایک تو یہ کہتا ہوں کہ ہمارے احمدی ڈاکٹر اس کبر کو چھوڑ دیں جس میں ہندوستان کے ڈاکٹر عام طور پر مبتلا ہیں اور میں سمجھتا ہوں اگر ایک دو ڈاکٹر بھی اس واقعہ سے سبق حاصل کرکے اس بدعادت کو چھوڑ دیں اور تیں چالیس جانیں بھی اس طرح بچ جائیں تو سارہ بیگم کی موت کام آجائے گی- خدا کا فرستادہ مسیح موعود علیہ السلام جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا- اُجِیْبُ کُلَّ دُعَائِكَ اِلَّا فِیْ شُرَکَائِكَ ۶؎ - جس سے وعدہ تھا کہ میں تیری سب دعائیں قبول کروں گا' سوائے ان کے جو شرکاء کے متعلق ہوں- وہ ہنری مارٹن کلارک والے مقدمہ کے موقع پر مجھے جس کی عمر صرف ۹ سال کی تھی دعا کیلئے کہتا ہے- گھر کے نوکروں اور نوکرانیوں کو کہتا ہے کہ دعائیں کرو- پس جب وہ شخص جس کی سب دعائیں قبول کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہوا تھا' دوسروں سے دعائیں کرانا ضروری سمجھتا ہے

اور اس میں اپنی ہتک نہیں سمجھتا تو ایک ڈاکٹر کا دوسرے ڈاکٹر سے مشورہ کرنا' کس طرح ہتک کا موجب ہو سکتا ہے- پس دیانت' ایمان اور دین کے لحاظ سے ایک معالج کا فرض ہے کہ جب حالت خطرناک دیکھے تو مشورہ دے کہ کسی اور کو بلالیا جائے- ڈاکٹروں کا قاعدہ ہے کہ دوسرے کا نسخہ دیکھ کر کہتے ہیں' یہی تو میں دے رہا تھا- حالانکہ ہو سکتا ہے کہ ہزار دفعہ جو چیز دی گئی ہے وہ ایک دفعہ کسی نئی دوائی کے ساتھ ملا کر دی جائے تو اس سے جان بچ جائے- پس یہ دو باتیں ہیں جو اِس وقت کہنا چاہتا ہوں- گزشتہ پر شکوہ نہیں' پر آئندہ احتیاط کیلئے- گزشتہ واقعہ کے متعلق تو میں برابر ڈاکٹر صاحب پر اعتراضات کا دفعیہ کرتا رہا ہوں- اور جو بھی ملا ہے اسے سمجھایا ہے لیکن آئندہ کی احتیاط کیلئے یہ باتیں بیان کرنا ضروری ہیں- اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کیلئے کیونکہ ہر عورت اپنے گھر کیلئے بمنزلہ ستون کے ہوتی ہے جس کے ٹوٹنے پر گھر کے ویران اور بچوں کے برباد ہونے کا خطرہ ہوتا ہے- ایک بھنگی کی عورت بھی اپنے گھر میں ویسی ہی ہے جیسے ایک بادشاہ کی- پس میں اس موت کو ایک قربانی سمجھوں گا اگر ہمارے احمدی ڈاکٹر اس عادت کو چھوڑ دیں- غرض دو باتیں میں کہتا ہوں ایک اپنے متعلق دوسری عام- اپنے متعلق یہ کہ اگر میں باہر ہوں تو میرے عزیزوں اور قائمقام کو اطلاع ہونی چاہیئے تا مجھے علم ہوسکے- اللہ تعالیٰ مستغنی ہے اور میں اُس کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں- لیکن پھر بھی گریہ وزاری سے دعا کی توفیق ملنے کے بعد میں نے کسی بات کو ٹل جانے یا ملتوی ہوئے بغیر نہیں دیکھا- میرے پاس روپیہ نہیں ہے لیکن کسی کو مجھ پر یہ بدگمانی نہیں ہونی چاہیئے تھی کہ میں ان تاروں کا خرچ نہ دیتا- اگر پندرہ پندرہ منٹ کے بعد بھی مجھے اطلاع دی جاتی تو مجھے خرچ ادا کرنے میں کوئی اعتراض نہ ہوتا بلکہ تازیست میری روح اس کے زیر احسان رہتی- عام نصیحت یہ ہے کہ جب مرض سخت ہو ڈاکٹر کو خود زور دینا چاہیئے کہ دوسرے ڈاکٹروں سے مشورہ کیا جائے اور اگر غریب کو ڈاکٹر بلانے کی توفیق نہ ہو تو اپنے رسوخ اور دوستانے سے کام لے کر خود ڈاکٹر دوسرا ڈاکٹر بلائے-

اللہ تعالیٰ جانتاہے کہ اگر ہزاروں ایسے غریب مریض جن کی موت پر ایسی ہی غلطیاں ہوتی ہیں' ان کی بہتری مدنظرنہ ہوتی تو میں یہ بات ہرگز نہ کہتا کیونکہ اس واقعہ کی تو اب اصلاح نہیں ہوسکتی- اورساتھ ہی مجھے یہ بھی یقین ہے کہ ہر ابتلا میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہوتی ہیں- اور یہ میں کبھی نہیں مان سکتا کہ رحمٰن رحیم خدا بندے پر ظلم کرے گا- ہر

سانس، ہر قدم، ہر نظر اور ہر شنوائی اور ہر لفظ جو انسان کے منہ سے نکلتا ہے اور ہر ہوا جو ناک میں جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طفیل میں ہم اس کے ساتھ وابستہ بداثرات اور عذابوں سے بچتے ہیں۔ پھر میں کس طرح اس پر بدظنی کرسکتا ہوں۔ وہ ہاتھ جس سے لاکھوں میٹھی قاشیں ہم نے کھائی ہیں۔ اگر علاج کے طور پر کوئی کڑوی بھی کھلائے تو سوائے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے ہمارے منہ سے کچھ نہیں نکل سکتا۔ اس لئے بندوں کے فعل پر اعتراض نہیں کرتا تا اس سے اشارۃً اپنے آقا کا شکوہ نہ ہوجائے۔ لیکن اس خیال سے کہ شاید بعض غریبوں کی اس میں بہتری ہوجائے اور کئی اور بے کس عورتوں کی جانیں بچ جائیں، مین نے یہ بات کہہ دی ہے۔

(الفضل یکم جون ۱۹۳۳ء)

۱؎ بخاری کتاب التفسیر باب قولہ فَاَمَّا من اعطٰی واتّقٰی

۲؎ مسلم کتاب الجنائز باب البکاءُ علی المیت

۳؎ بخاری کتاب الجنائز باب من جلس عند المصیبۃ یعرف فیہ الحزن

۴؎ بخاری کتاب الرقاق باب التواضع (ولا بدلہ منہ کے الفاظ اس روایت میں نہیں ہیں)

۵؎ مسلم کتاب السلام باب لکل داءٍ دواءٌ والاستحباب التداوی (الا الموت کے الفاظ اس روایت میں نہیں)

۶؎ تذکرہ صفحہ ۲۶۔ ایڈیشن چہارم